IQBAL REVIEW (66: 4)
(October – December 2025)
ISSN(p): 0021-0773
ISSN(e): 3006-9130

اقبال کا تصوّرِ قوّت

Iqbal's Concept of Power

محمد یوسف چوہان
اسسٹنٹ پروفیسر
گورنمنٹ گریجوایٹ کالج
منڈی بہاء الدّین

ABSTRACT

Allama Muhammad Iqbal's concept of power revolves around the Quranic concept of Power. Though it is present in his preliminary works as a raw material, it is presented systematically in 'Asrar-e-Khudi' and 'Rumuz-e-Bekhudi' and is further elaborated afterwards in his literary and philosophical works. Iqbal regards Khudi as a form of power. The power of Khudi is strengthened by the power of Ishq and is weakened by Asking. It gains dominion over all types of the forces of the universe. It has three stages in its particular sense: Obedience of Allah Almighty, Self-control over wishes and Divine

Vicegerency. To Iqbal, The Ideal powerful man was the Prophet Muhammad (P.B.U.H.). Iqbal was of the opinion that the purpose of the powerful man should to exalt the Word of Allah. He proceeded how individuals transform their powers of Khudi into the power of Community. In this connection, *Quran* plays the core role to construct Muslim Nation. Abiding by the Constitution of *Quran*, the Community can control the Forces of the World Order.

Keywords: God is power, Nietzsche's influence on Iqbal, power of Khudi, power of Ishq, ideal powerful man, power of *Quran*, control over the Forces of the World Order.

قوّت کے بارے میں تصوّرات کو تین زُمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جن میں سے پہلا، الہامی سرچشمے سے ماخوذ ہے، جس کی رو سے قوّت کا مرکز اللہ کی ذات ہے۔ اس کا ایک نام 'القوی' ہے۔ تمام قوّتیں اسی کی ہیں۔ (البقرہ ۲: ۱۶۵) اس کے سوا کوئی قوّت نہیں۔ (الکھف ۱۸: ۳۹) اقبال کا تصوّرِ قوّت قرآن سے ماخوذ ہے___ دوسرے تصوّر کا مرکز سیاست ہے، جس کو نکولو میکیاولی (م ۱۵۲۷ء) کی کتاب دی پرنس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ فریڈرک نیتشے (م ۱۹۰۰ء) کا 'دی ول ٹو پاور' اسی تصوّر کا نقطۂ کمال ہے۔ دونوں عالمی جنگوں کی وجہ قوّت کا یہی تصوّر ہے___ قوّت کا تیسرا تصوّر سائنسی ہے، جسے آئزک نیوٹن (م ۱۷۲۷ء) نے اپنی لاطینی زبان میں لکھی گئی کتاب *Philosophiae Naturalis Principia Mathematica* میں پیش کیا اور جسے 'نیوٹن کا دوسرا قانون' کہا جاتا ہے۔ اس تصوّر کو رولوے (م ۱۹۹۴ء) کے الفاظ "the ability to cause or prevent change." میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ [1] اس تصوّر کا کمال آئن اسٹائن (م ۱۹۵۵ء) کا نظریۂ اضافت ہے۔ یہ قوّت کا حقائق پر مبنی خالص تصوّر ہے۔ اس کا عملی اظہار ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہی کی صورت میں نمودار ہوا۔

ملت کے زوال کا بڑا سبب: کمزوری

اقبال کے خیال میں مسلمانوں کے 'جرمِ ضعیفی' کا نتیجہ 'مرگِ مفاجات' ہے۔ صرف یقین کی کمزوری سے روح مردہ اور 'قوّتِ دینِ مبین' سے ناامید ہو جاتی ہے۔ عہدِ حاضر کے مسلمان اپنے 'بے زور ہاتھ' کی وجہ سے خوار ہیں۔ سراج الدین پال کے نام ۱۰، جولائی ۱۹۱۶ء کو انھوں نے خط لکھا کہ زوال نے مسلمانوں کے قوا کو شل کر دیا ہے۔ [2] اگر ان کی کمزوری کو دور کر دیا جائے تو یہ اقوامِ عالم میں پھر اپنا مقام بنا سکتے ہیں لیکن اس کے لیے نوجوان نسل کی تربیت کرنا ضروری ہے۔ طلبہ کا نصاب ایسا ہونا چاہیے، جو انھیں کمزور اور بزدل نہ بنائے۔ [3] اقبال کی زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں میں جو کمزوریاں رونما ہو گئی ہیں، وہ دور ہو جائیں۔ [4] رموزِ بے خودی کے دیباچے کے مطابق اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی، دونوں میں اقبال نے امّتِ مسلمہ کا 'انحطاط زائل کرنے اور اس کی زندگی کو مضبوط و محکم کرنے کے عملی اُصول' بیان کیے۔ اسرارِ خودی میں 'احساسِ نفس کے تدریجی نشوونما، اس کے تسلسُل، توسیع اور استحکام' جب کہ رموزِ بے خودی میں "قومی انا' کی حفاظت، تربیت اور استحکام' کے عملی اصولوں کا بیان ہے۔ اقبال کے خیال میں اللہ چڑیا سے باز اور چیونٹی سے ہاتھی کو مروا دیتا ہے۔ وہ جب چاہے، ضعیفوں کو 'شیروں کی طاقت' دے دیتا ہے۔ ایک بیمار سماجی عضو یہ بعض اوقات ایسی طاقتوں کو پیدا کرتا ہے، جو اس

کی حفاظت کرتی ہیں۔ بالکل اسی طرح اقلیتیں بھی قوموں کی تقدیروں کا تعیّن کرنے والی قوت ہوتی ہیں۔[۵] ناامید ہونے کی ضرورت نہیں۔ مسلمان میں اب بھی 'تقدیر شکن قوّت' موجود ہے۔ اس کے 'زورِ بازو' کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی نگاہ سے تقدیریں بدلتی ہیں۔ اس پر لازم ہے کہ وہ قوّت کے تمام سرچشموں کو اپنی دسترس میں رکھے۔ 'شمشیر وسناں' کا مقابلہ 'طاؤس ورباب' سے نہ کرے۔ اگر عصانہ ہو تو پیغمبری 'کارِ بے بنیاد' ہے۔ قوّت اگر لادین ہو تو 'زہرِ ہلاہل' سے زیادہ خطرناک اور اگر دین کی حفاظت کے لیے ہو تو ہر 'زہر کا تریاق' ہے۔ 'قوّتِ بازو' کے بغیر وحدت کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ قوّت کے سامنے افلاک بھی 'سربسجدہ' ہیں۔ اقبال نے پروفیسر فشر کے حوالے سے بتایا کہ بین الاقوامی دنیا میں کمزور سے کسی کو ہمدردی نہیں ہوتی، صرف طاقت عزّت کی مستحق ہوتی ہے۔[۶] تاریخ اگرچہ قوّت کی منطق ہے لیکن قوّت کا اصل کام باطل کو حق میں بدلنا ہوتا ہے۔[۷] عجمی تصوّف کے زیرِ اثر مسلمانوں میں کمزوری کو مستحسن اور قوّت کو مذموم سمجھا جانے لگا تھا۔ اقبال نے پیغام دیا کہ انسان کی کوئی قوّت فی نفسہٖ بد نہیں بلکہ قوّت اپنی فطرت میں نیک ہے اور تمام قوا کو اپنے محل پر استعمال کرنے کا نام اسلام ہے۔ مجاہدے سے کسی قوّت کو فنا کر دینا، خواہ اور مذاہب میں کتنا ہی مستحسن کیوں نہ ہو، اسلامی نقطۂ خیال سے ناشکراپن ہے۔ ہر ایسا خیال ممنوع ہے، جو انسان کی عملی طاقتوں کو کمزور کرنے والا ہو۔[۸]

اقبال کے تصوّرِ قوّت کا مرکز: اللہ

اقبال سمجھتے ہیں کہ توحید، عقیدہ، مذہب، روح، تقویٰ اور نماز وغیرہ قوّت کے مختلف روپ ہیں۔ ۱۲، ستمبر ۱۹۰۵ء کو انھوں نے مولوی انشاء اللہ خاں کے نام خط میں 'باری تعالیٰ کی قوّتِ نامتناہی' کے اثر کو تسلیم کیا۔ ان کا موقف ہے کہ قوّت، نورِ اوّلی کی اصل ماہیّت میں دخیل ہے اور کائنات اس قوّتِ تنویر کا مظہر ہے۔[۹] ان کا اس سلسلے میں واضح اور دوٹوک ایمان ہے کہ خدا قوّت ہے 'God is power.'[۱۰] مسلمانوں کی جمعیّت کی مضبوطی 'قوّتِ مذہب' سے ہے۔ دین سے دل ہر قوّت کا سرچشمہ ہے۔ توحید ایک 'زندہ قوّت' ہے۔ مسلمان کا بازو 'توحید کی قوّت' سے قوی ہے۔ عقیدہ ایک عظیم قوّت ہے۔ عقیدے کا کوئی طاقت مقابلہ نہیں کر سکتی۔[۱۱] تلوار پر کافر بھروسہ کرتا ہے، مومن 'بے تیغ' بھی لڑتا ہے۔ ۱۲، اکتوبر ۱۹۱۸ء کو مولانا گرامی کے نام خط میں لکھا کہ مسلم ایک قوّتِ نورانیہ ہے، جس کا موت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتی ___ حقیقت کی کوئی شکل آدمی کی روح سے زیادہ طاقت ور نہیں۔[۱۲] نماز سے ایسی طاقت حاصل ہوتی ہے، جو خالص فکر سے مختلف ہوتی ہے۔[۱۳] کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد ۴ کے

ضمیمے میں چودھری محمد حسین کے نام ۵، اگست ۱۹۲۴ء کے خط میں لکھا کہ تقویٰ میں تمام قوّتوں کا کمال داخل ہے۔ اگرچہ عیسائیوں کا خدا کا تصوّر 'محبّت' کے گرد گھومتا ہے لیکن اقبال نے اسٹرے ریفلیکشنز ،شذرات ۱۰، ۶۴ میں موازنہ کرتے ہوئے لکھا کہ خدا کو 'محبّت' کی نسبت 'قوّت' کے لحاظ سے بیان کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح سچائی کی نسبت بھی قوّت زیادہ الہامی ہے۔

قوّت اور دانش

اقبال کے خیال میں طاقت کے بغیر بصیرت اخلاقی ترفّع تو دیتی ہے لیکن دائمی ثقافت نہیں دے سکتی۔ بصیرت کے بغیر طاقت تخریبی اور غیر انسانی ہوتی ہے۔ [۱۴] تیشہ گیری چھوڑ بیٹھنا عقل مندی نہیں۔ ۸، دسمبر ۱۹۱۹ء کو کریم بی بی کو لکھا کہ میں نے یورپ کا فلسفہ پڑھنے میں زندگی ضائع کر دی۔ اللہ نے مجھے بہت اچھے دماغی قوا سے نوازا تھا۔ اگر یہ قوا دینی مطالعے میں صرف ہوتے تو خدا کے رسول کی آج خدمت کر سکتا۔ جولائی ۷ ۱۹۳ء کو مس فارک ہرسن کو لکھا کہ قوّت کا سرچشمہ ذہانت ہے۔ جب قوّت، ذہانت کو پس پشت ڈال کر خود پر بھروسہ کرتی ہے تو ختم ہو جاتی ہے۔

قوّت کی تجسیم: پاور فل مین

اسٹرے ریفلیکشنز کے شذرات ۶۰، ۶۴، ۶۶، ۶۷ اور "اسٹرے تھاٹس" کے شذرات ۱، ۷ میں ہے کہ تصوّر کی عملی طاقت اس شخصیّت کی قوّت ہوتی ہے، جس میں یہ مجسّم ہوتی ہے۔ پاور فل مین ماحول تخلیق کرتا ہے، کمزور اس میں اپنی جگہ بناتا ہے۔ تہذیب کسی پاور فل مین کی سوچ کا نام ہے۔ مہدی ___ قوّت کی تجسیم ___ کا انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے تخلیق کرنا چاہیے۔ کمزور خود کو خدا میں ضم کر دیتے ہیں جب کہ پاور فل مین خدا کو خود میں دریافت کرتا ہے۔ کمزور آدمی تقدیر کو اس کا ڈنگ عطا کرتا ہے۔ پاور فل مین اپنی بد بختیوں کو بھی اپنے مفاد میں استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی روح کی قوّت کو بڑھاتا ہے ___ اس کے لیے اقبال مرد، مردِ کامل، مردِ خدا، مردِ مومن، مومنِ جانباز، بندۂ مومن وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال کرتے ہیں۔ جاوید نامہ میں 'حلاّج' کے تحت ہے کہ مردوں کا جبر ان کی قوّت کے کمال سے ہے۔ ارمغانِ حجاز کی نظم 'حضورِ عالمِ انسانی' میں ہے کہ ابلیس کا حریف کوئی مردِ کامل ہی ہو سکتا ہے، کمزور شکار اس پر حرام ہے۔

اقبال کے خیال میں پاور فل مین کی مثالی صورت پیغمبرِ آخر الزّماں ﷺ ہیں۔ ان کا قوّتِ عشق کا تمام تر فلسفہ اپنی اصل کے اعتبار سے عشقِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ انھوں نے اپنے ایک مضمون میں عبدالکریم الجیلانی کے حوالے سے لکھا[۱۵]: "… his god-man is Muhammad…" آپؐ کے بعد حضرت علیؓ کی شخصیت قوّت کا مستقل استعارہ ہے۔ نظم "طلوعِ اسلام" میں ہے کہ قیصر و کسریٰ کے ظلم کو جس نے ختم کیا، اس میں زورِ حیدری کا کردار تھا۔ اسرارِ خودی میں "در شرحِ اسرار۔۔۔" کے تحت علیِ مرتضیٰؓ کو 'مسلمِ اوّل'، 'شیرِ حق'، 'شیرِ مرداں' اور رسولِ پاکؐ کے فرمان کے مطابق 'قوّتِ دینِ مبین' کہہ کر اقبال نے اپنا نظریۂ حیات دیا کہ زندگی، قوّتِ پیدا یعنی ظاہر قوّت کا نام ہے۔ دوسرے اڈیشن کے بالکل آغاز میں پیشانی کے جھومر کی طرح مولانا جلال الدّین رومیؒ کی ایک غزل کے تین اشعار درج ہیں، جن میں ایک شیخ 'ہمرہانِ سست عناصر' سے دل گرفتہ ہے۔ وہ 'انسان' کی تلاش میں ہے، جو 'شیرِ خدا' اور 'رستمِ دستان' جیسا ہو۔ اقبال کے نزدیک حیدریّت کی جڑیں اسلامی فقر میں پیوست ہیں۔ وہ جہان میں 'قوّتِ حیدری' کا دار و مدار 'نانِ شعیر' پر سمجھتے ہیں۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ نے جسے 'نانِ جویں' بخشی ہے، اس کے پاس 'بازوے حیدرؓ' بھی ہو۔ پیامِ مشرق میں 'پیش کش بحضورِ اعلا۔۔۔' کے تحت ہے کہ سروری 'فقرِ حیدری' ہے۔ 'ایک نوجوان کے نام' میں ہے کہ اگر 'شکوہِ خسروی' بھی حاصل ہو جائے تو بے سود کیونکہ مسلمانوں میں اب 'زورِ حیدری' نہیں۔ جاوید نامہ میں 'حضور' کے تحت ہے کہ حیدریّت کے بغیر بت کدے خیبر بن گئے۔ اقبال کے خیال میں بازوے حیدرؓ کے بدلے ادراکِ رازیؒ کو بھی قربان کیا جا سکتا ہے۔ اقبال خود کو بھی اسی قبیل کا فرد سمجھتے ہیں۔ نظم "جلال و جمال" میں ہے کہ میرے لیے زورِ حیدری کافی ہے۔ بانگِ درا میں حصّہ دوم کی غزل ۱۵ میں ہے کہ ہمارے قبیلے میں حیدری کے لیے کرّاری ضروری ہے۔ ارمغانِ حجاز میں "حضورِ رسالتؐ" کے تحت ہے کہ ایک پاک باز جوان چاہیے، جس کا بازو حیدرؓ کی طرح قوی ہو۔ اگر میں تیغِ علیؓ کے شایانِ شان نہیں تو مجھے شمشیرِ علی کی طرح تیز نگاہ عطا ہونی چاہیے۔ پھر درجہ بدرجہ دیگر شخصیات کو بھی اقبال پاور فل مین کے زُمرے میں داخل سمجھتے ہیں۔ نظم "ملّازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض" میں ہے کہ خانقاہیں چھوڑ کر حسینؓ کا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ "معنیِ حریّتِ اسلامیہ و سرّ حادثہ کربلا" میں ہے کہ موسیٰؑ و فرعون اور شبّیرؓ و یزید، یہ دونوں قوّتیں زندگی کا اظہار ہیں۔ حق، قوّتِ شبّیری سے زندہ ہے۔ مسافر کے آغاز میں ہے کہ نادر شاہ کی کی شمشیر حافظِ دینِ مبین ہے، جو خسروی شمشیر اور درویشی نگاہ رکھتا ہے۔ یہ دونوں قوّتیں وجودِ مومن سے

ہیں۔ پیامِ مشرق کی نظم "جمہوریت" میں ہے کہ کسی 'پختہ کار' کی پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ دوسو گدھوں کا مغز 'فکرِ انسانی' تک نہیں پہنچ سکتا۔

اقبال کا تصوّرِ قوّت اور نیتشے کا 'دی ول ٹو پاور'

'دی ول ٹو پاور' عیسائیت کی حد سے بڑھی ہوئی انکساری اور ایثار کا ردِ عمل ہے۔ 'The Will to Power' میں Will جرمن فعل Wollen کا ترجمہ ہے۔ R. Kevin Hill کے خیال میں جرمن فعل کا قریب ترین انگریزی لفظ Want ہے۔ اس لحاظ سے اس کا انگریزی ترجمہ 'The Desire for Power' بنتا ہے۔[16] نیتشے کے 'دی ول ٹو پاور' کے تصوّر کی بہترین وضاحت اس کے درج ذیل بیان سے کی جاتی ہے، جو اس کا خیر و شر کا تصور ہے:[17]

"What is good? __ Whatever augments the feeling of power, the will to power, power itself, in man. What is evil? __ Whatever springs from weakness. What is happiness? __ The feeling that power increases __ that resistance is overcome"

قوّت کو خیر اور ضعف کو شر مان کر نیتشے نے گویا قوّت کو ہی خدا مان لیا۔

ای ایم فوسٹر نے ایتھینیم (*Athenaem*) میں اسرارِ خودی پر مطبوعہ تبصرے میں الزام لگایا کہ اپنے دوسرے معاصرین کی طرح اقبال بھی نیتشے سے متاثر ہیں اور سوپر مین کی رہنمائی چاہتے ہیں۔[18] اسی طرح پروفیسر ڈکنسن نے بھی ہفتہ وار نیشن (*Nation*) میں اپنے مطبوعہ تبصرے میں الزام لگایا کہ اقبال پر سب سے زیادہ قوی اثر نیتشے کا ہے۔[19] اقبال نے ان تبصروں کا جواب ۲۴ر جنوری ۱۹۲۱ء کو پروفیسر نکلسن کے نام خط میں دیا کہ یہ غلط فہمی ہے۔ میں بیس سال پہلے اس پر لکھ چکا ہوں، جب نیتشے سے میں واقف نہیں تھا۔ مجھے سمجھنے کے لیے الیگزینڈر سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے، جو کہتا ہے کہ کائنات میں ایک قوّت ہے، لیکن ہمیں نہیں پتا کہ وہ کیا ہے؟ اسے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم خدا بن جائیں__ اقبال الیگزینڈر سے بھی اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ قوّت ایک جامع شخصیت میں ظاہر ہوگی۔ نیتشے بقائے شخصی کا منکر ہے۔ اقبال نے اختلاف کیا کہ بقا انسان کی ایسی قیمتی دولت ہے، جس کو حاصل کرنے کے لیے اسے اپنی ساری قوّتیں صرف کر دینی چاہییں__ بیس سال پہلے لکھی گئی مذکورہ بالا تحریر کا اشارہ ستمبر ۱۹۰۰ء میں عبد الکریم الجیلانی کی کتاب انسانِ کامل پر اقبال کے مضمون کی طرف ہے،

جو بمبئی کے *Indian Antiquary* میں شائع ہوا، جس میں The Perfect Man پر کھل کر اظہارِ خیال کیا گیا۔ Stages of Absolute Existence کا مختصر طور پر ذکر ہے، جو بالترتیب Oneness، He-ness اور I-ness ہیں۔ یوں مضمون میں ایک God-man کے مکمل تصوّر پر بحث موجود ہے۔ جرمن فلسفی Schleiermacher کے حوالے سے اقبال نے لکھا[20]: "The German theologian reduces all the divine attributes to one single attribute of power…" مذکورہ بالا خط میں اقبال یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کا برتر انسان کا تصوّر نیتشے سے نہیں بلکہ مسلمان صوفیا کے افکار سے ماخوذ ہے۔

نیتشے سے متعارف ہونے سے قبل ہی اقبال نے قوّت پر تفکّر کو اپنی جولان گاہ بنایا ہوا تھا۔ جنوری ۱۹۰۲ء میں ماہنامہ مخزن لاہور میں ان کا مضمون "بچوں کی تعلیم و تربیت" شائع ہوا، جس میں انھوں نے لکھا کہ نفسِ ناطقہ کی ہر قوّت، دوسری پر منحصر ہے۔[21] اکتوبر ۱۹۰۴ء میں ماہنامہ مخزن لاہور میں ہی ان کا مضمون "قومی زندگی" شائع ہوا، جس میں انھوں نے ڈارون کے نظریۂ ارتقا کے بارے میں لکھا کہ نظامِ فطرت میں ہر طبقے کے حیوان اپنے ہمسایہ طبقوں سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ فتح صرف انھیں ملتی ہے، جو حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیں۔[22] اپنی اوّلین تصنیف علم الاقتصاد، مطبوعہ نومبر ۱۹۰۴ء میں قوّت کو اقتصادی نقطۂ نظر سے زیرِ غور لاتے ہوئے فلسفے کے 'قانونِ بقاے افرادِ قویہ' کا تذکرہ کرتے ہیں کہ نظامِ عالم کی جنگ میں طاقت ور کمزور پر فتح پاتے ہیں۔ انسان کی قوّتیں قواے نظامِ قدرت کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔[23] بعد ازاں ۲۳ر جون ۱۹۲۳ء کو اقبال نے مدیر زمیندار کے نام ایک خط میں اقتصادی حوالے سے لکھا کہ سرمایہ داری کی قوّت معتدل نہ ہو تو لعنت ہے۔

جولائی ۱۹۰۷ء میں اقبال جب جرمنی گئے تو انھیں نیتشے کی فکر کو گہرائی سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حق و باطل کی آویزش میں قوّت اگرچہ فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے لیکن نیتشے کا تصوّرِ قوّت گمراہ کن بلکہ تباہ کن ہے، جو اس کے مقولے 'God is dead.' کے گرد گھومتا ہے۔[24] اس کے سوپر مین کو اخلاقی اصولوں سے کوئی نسبت نہیں جب کہ اقبال اخلاقی اصولوں کو کسی صورت قربان کرنے کو تیار نہیں۔ نیتشے کے خیال میں خدا پر عقیدہ آدمی کو کمزور بناتا ہے جبکہ اسٹرے ریفلیکشنز میں 'اسٹرے تھاٹس' کے شذرہ ۴ کے مطابق دانشِ اسلام تصوّرِ خدا کو قوّت کے مأخذ میں بدلتی ہے ___ اقبال نے نیتشے کے رجعتِ ابدی کے نظریے کو سائنس کے ایک مفروضے کی بنیاد پر قائم محض ایک توقّع بتایا، جس میں انرجی سنٹرز

کے اتصال کی رجعت سوپر مین کی تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ اقبال کو اس نظریے میں کچھ نیا نظر نہیں آیا، وہ قرآن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، جہاں جنّت کا مطلب ہے، ہلاکت کی قوّتوں پر فتح حاصل کرنا۔[۲۵] البتہ بنیادی طور پر اختلاف رکھنے کے باوجود اقبال نے نیتشے سے کسی حد تک استفادہ کیا۔ اینی میری شمل کے مطابق اسرارِ خودی کی کچھ حکایات، تلمیحات، خودی کے تین مراحل، مثالی دلیری اور مصائب میں استقامت وغیرہ میں نیتشے اور اقبال ہم خیال ہیں۔[۲۶] جاوید نامہ میں اقبال نے نیتشے کو 'حلّاجِ بے دار و رسن' کہہ کر مخاطب کیا کہ اسے کوئی مردِ کامل نہ مل سکا۔ انا کو طاقت ور بنانے کا درس دینے والا آخر میں خود اپنی انا کی حفاظت نہ کر سکا۔ وہ عقل سے مقامِ کبریا کو تلاش کرتا رہا، اسی لیے پاگل ہو گیا۔ وہ لا تک تو پہنچ گیا مگر الّا تک نہ پہنچ سکا۔ سوپر مین یا عبدہٗ کا مقام اس کے بعد آتا ہے۔ اسے مجدّدِ الف ثانیؒ جیسے رہنما کی ضرورت تھی۔ اسی لیے اقبال نے کہا کہ وہ مجذوب اگر میرے زمانے میں ہوتا تو میں اسے بتاتا کہ 'مقامِ کبریا' کیا ہے؟

تصوّرِ خودی اور تصوّرِ قوّت

ستمبر ۱۹۱۵ء میں اسرارِ خودی کی اشاعت کے بعد اقبال کا تصوّرِ قوت مشرق و مغرب میں واضح طور پر محسوس کیا گیا۔ ان کے مذکورہ بالا مضمون "بچوں کی تعلیم و تربیت" میں اس موضوع پر اظہارِ خیال ہو چکا تھا۔ اسی طرح ان کی اسٹرے ریفلیکشنز، جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی، کے شذرہ ۱۵ میں موجود ہے کہ آدمی بنیادی طور پر توانائی، قوّت بلکہ قوّتوں کا مجموعہ ہے، جو ذرا مختلف ترتیب رکھتا ہے۔ ان قوّتوں کی ایک مطلق ترتیب شخصیّت ہوتی ہے ـــــ یہ دونوں تحریریں اقبال کے فلسفۂ خودی کا خام ہیّولا ہیں، جن میں انسانی قوّتوں کو نفسِ انسانی، شخصیّت یا خودی سے جوڑا گیا ہے۔ گویا اقبال کا تصوّرِ قوّت ان کے تصوّرِ خودی کی فلک بوس موجوں کی کشاکش کے زیرِ سطح جوان ہوا۔ نظر شناس پہچان گئے لیکن اقبال نے فن کا وہ کمال دکھایا تھا کہ کوشش کے باوجود اقبال کو حلّاج یا نیتشے نہ بنایا جا سکا ـــــ اقبال نے خود بھی ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو اکبر الہ آبادی کو لکھا کہ قوّت کے بغیر مذہب صرف ایک فلسفہ ہے۔ گذشتہ دس سال سے میں اسی پیچ و تاب میں ہوں۔ مثنوی لکھنے کے لیے حقیقت میں یہی خیال محرّک ہوا۔ ۲۸؍ جنوری ۱۹۲۱ء کو اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو اسرارِ خودی کے بارے میں لکھا کہ اس کے ہر لفظ میں ایک سیاسی قوّت مضمر ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدّیقی نے کہا کہ قوم کو حصولِ قوّت کی ترغیب و تشویق ہی اقبال کے فلسفۂ خودی کا اوّلین مقصد ہے۔[۲۷] اسرارِ خودی کے بعد دوسری بڑی کوشش اقبال

نے *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* میں کی۔ سید نذیر نیازی کے مطابق اقبال کے خطبات نے اسلامی فکر کی روایت کے احیا کے لیے یہ سوال اٹھایا کہ کیسے ہم پہلے کی طرح ان قوّتوں کو اپنے تصرّف میں لائیں، جو انسان کی تقدیر بناتی ہیں؟[٢٨] ضربِ کلیم کا اقبال نے پہلے نام صورِ اسرافیل رکھا۔ دونوں ناموں سے اگرچہ کتاب کا موضوع واضح تھا لیکن انھوں نے سرورق پر ساتھ ہی توضیحی الفاظ 'اعلانِ جنگ دورِ حاضر کے خلاف' لکھنا ضروری سمجھا بلکہ ایک قطعے کا مزید اضافہ کیا، جس میں مسلمانوں کو صاف صاف کہا کہ وہ خودی میں ڈوب کر 'ضربِ کلیم' پیدا کریں۔ یہ حقیقت ہے کہ عزیز احمد کے بقول اقبال نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے بے انتہا طاقت مہیا کرنے کی تلقین کی۔[٢٩]

خودی کو اگر قوّت کے معنی میں دیکھا جائے تو اس کے اسرار میں منفرد لطافتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسرارِ خودی کے دیباچے میں اقبال نے 'خودی' کو 'وحدتِ وجدانی' اور 'فطرتِ انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیّتوں کی شیرازہ بند' کہا۔ خودی ایک لحاظ سے فرد کی ذات کو مرکزیت دینے کا نام ہے۔ پہلے عنوان "دربیان اینکہ اصلِ نظامِ۔۔۔" میں انھوں نے خودی کو 'قوّتِ خاموش' سے تشبیہ دی اور ساتھ ہی 'زورِ خودی' اور 'ضعفِ خودی' کی اصطلاحات بھی استعمال کیں اور کہا کہ چاند زمین کے گرد اس لیے چکر لگا رہا ہے کیوں کہ زمین کی ہستی چاند کی نسبت زیادہ محکم ہے۔ زمین سورج کے گرد اس لیے چکر لگا رہی ہے کیوں کہ سورج کی ہستی زمین کی نسبت زیادہ محکم ہے۔ "اندر زِ میر نجات۔۔۔" میں یہی بات یوں کی کہ زندگی دوسروں کے گرد طواف کرنے سے نجات حاصل کرنے کا نام اور خود کو 'بیت الحرام' سمجھنا ہے۔ ضربِ کلیم کی نظم ' لا الٰہ الا اللہ " میں ہے کہ خودی تیغ اور لا الٰہ الا اللہ فسان ہے۔ ارمغانِ حجاز کی نظم "حضورِ عالمِ انسانی" میں ہے کہ اگر خودی کی طاقت کو آزمایا نہ جائے تو ہاتھ اور پاؤں کے بندھن نہیں کھولے جا سکتے __ اقبال نے ذاتِ الٰہیہ کو ایسی لامحدود قوّت کہا، جو اصول، قاعدے اور نظم کے تحت کام کرتی ہے۔ روحانی تجلّی ایسی تازہ طاقت دیتی ہے، جو انسانی شخصیت کی تشکیل کرتی ہے۔ خودی کو برقرار رہنے کے لیے علم، افزائشِ نسل اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔[٣٠] خودی کو کنٹرولنگ انرجی کہتے ہوئے، ایک قوّت کہا، جو سوچ بچار کے انسانی عمل میں محرّکات کی خارجی قوّتوں کے باہم ٹکراؤ میں مضبوط ترین قوّت کو بالآخر منتخب کرتی ہے۔[٣١] وہ مسلمان اقوام کو اپنی خودی میں ڈوب کر طاقت ور ہونے کا مشورہ دیتے ہیں تا کہ جمہوریتوں کا ایک زندہ خاندان تشکیل دیا جا سکے۔[٣٢] مذہب شخصیّت کی قوّتوں کی شیرازہ بندی کرنے کا اصول دیتا ہے۔ مذہبی تجربات خودی کی قوّتوں کو ایک مرکز پر لاتے ہیں۔[٣٣] کتنے

ہی مختلف زاویوں سے اقبال نے اپنی ان تحریروں میں خودی کی قوّت کو منکشف کیا۔ خودی کی تربیت کے مرحلۂ اول یعنی "اطاعت" میں ڈسپلن کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ہر شے کا باطن آئین سے قوی بتایا۔ مرحلۂ دوم یعنی "ضبطِ نفس" میں ہے کہ ایک اللہ کے ساتھ ہونا، لشکروں کے ہجوم کے ساتھ ہونے کی مثل ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ 'یا قوی' کا ورد کر کے طاقتور ہو جائے۔ مرحلۂ سوم یعنی "نیابتِ الٰہی" میں نائبِ حق ہونا اصل میں عناصر پر حکمران ہونا بتایا۔

طاقت ور خودی اور کمزور خودی

اقبال کے خیال میں خودی سوال کرنے سے کمزور ہوتی ہے، جیسے چاند کے سینے پر اس لیے داغ ہے کیونکہ وہ سورج سے روشنی لیتا ہے۔ خودی عشق سے مضبوط ہوتی ہے، خصوصاً محمد ﷺ کے عشق سے دل توانا ہوتا ہے۔ "در بیان ایں کہ مقصدِ حیات۔۔۔" میں ہے کہ مسلمان اگر عاشق نہیں تو کافر ہے۔ زبورِ عجم میں حصّۂ اوّل: ۹، ۴۵ میں ہے کہ عشق اگرچہ سامان نہیں رکھتا لیکن تیشہ ضرور رکھتا ہے۔ اس محبّت کو پھر زندہ کرنا چاہیے، جس کی قوّت سے بوریاے رہ نشین تختِ کیکاؤس سے ٹکرا جاتا ہے۔ اقبال نے ابتدائی دور کے مسلمانوں کے عدل کے قوی ہونے کو سراہا اور آخر میں امّتِ مسلمہ کی پستی کو بلندی میں بدلنے کے لیے 'قوّتِ عشق' سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے پیغمبرؐ کی بعثت کا مقصد تاریخ کی قوّتوں کو کنٹرول کرنا بتایا تاکہ وہ دنیا کو زیر و زبر کر دینے والی نفسیاتی قوّتوں کو بیدار کر کے ایک نئی مثالی دنیا پیدا کر سکے۔ [۳۴] ان کے خیال میں وہ نبیؐ جس کے پیغام میں قوّت نہیں، اس کی نبوت 'برگِ حشیش' کی طرح ہے۔ ۴ر اگست ۱۹۲۹ء کو محمد عبد الجمیل بنگلوری کے نام خط میں لکھا کہ ملت کی شیرازہ بندی میں پیغمبرؐ کی ذات سب سے بڑی اور کارگر قوّت ہو سکتی ہے۔

نفیِ خودی: مغلوب اقوام کی چال

اسرارِ خودی میں "مسئلۂ نفیِ خودی۔۔۔" کے تحت ہے کہ قوّت کا شعار چونکہ غلبہ پانا ہے، اس لیے ضعیف اپنی حفاظت کے لیے عقلی حیلے تراشتے ہیں، جیسے جنّت کمزوروں کے لیے ہے، قوّت گھاٹے کا سودا ہے وغیرہ۔ وہ اپنے اس انحطاط کو تہذیب کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ نفیِ خودی کی اس واردات کو اقبال نے 'مسلکِ گوسفندی' سے تعبیر کیا، جسے صوفیا نے اپنا لیا۔ ضربِ کلیم کی نظم "جہاد" میں ہے کہ شیخ کے فتوے کے مطابق دنیا میں تلوار کارگر نہیں رہی۔ "نفسیاتِ غلامی" میں ہے کہ شاعر، علما اور حکما

شیروں کو رمِ آہو سکھاتے ہیں تاکہ شیر کی شیری باقی نہ رہے۔ پیغمبری بھی اگر ظالم کی قوّت کی 'درپردہ مرید' ہو تو وہ قوم کے لیے لعنت ہوتی ہے۔ پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرقمیں "حکمتِ فرعونی" کے تحت ہے کہ شیخ ملت کا حریف چوبِ کلیم کے علاوہ کوئی نہیں۔ ایسی قوم کا معبود فرمانروا کی قوّت ہے۔ ۲۳/نومبر ۱۹۱۴ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کے نام خط میں لکھا کہ آدمی اپنی کمزوری کو چھپانے میں ماہر ہے۔ بے بسی کو صبر اور صبر کو ہمّت کا نام دیتا ہے۔ ۱۹، جولائی ۱۹۱۶ء کو سراج الدین پال کے نام خط میں یطیقون (البقرہ ۲ : ۱۸۴) کی وضاحت کی کہ جس قوم میں طاقت ختم ہو جائے تو وہ ناتوانی کو حسین کہنے لگتی ہے۔ اسی لیے لکھنؤ کی مرثیہ گوئی کو مسلمانوں کی ادبیات کا انتہائی کمال سمجھا جاتا ہے۔ ۱۳/اگست ۱۹۱۸ء کو اکبر الہ آبادی کو لکھا کہ کمزوروں کے پاس بددعا کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

اسرارِ خودی کے ۱۹۱۵ء والے اڈیشن میں عجمی تصوّف سے اقبال کی بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ یہ ضعف کا باعث ہے۔ انھوں نے افلاطون (م ۳۴۸ ق م) کو 'گوسفندانِ قدیم' کے گروہ سے کہا کہ وہ دنیا کے ہنگامے میں اپنا کردار ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ اسی طرح حافظ شیرازی (م ۱۳۹۰ء) سے 'ہوشیار' رہنے کی تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ خسرو (م ۶۲۸ء) کے ساتھ طاقتِ پیکار رکھنے والا فرہاد نہیں۔ وہ 'امامِ امّتِ بے چارگاں' ہے۔ وہ گوسفند ہے، وہ ضعف کا نام توانائی رکھتا ہے۔ وہ اپنی صراحی میں حسن بن صباح کے مریدوں کی طرح حشیش رکھتا ہے۔ اس کا عشق خودکشی ہے۔ وہ گھر کا سانپ ہے۔ ۲۸/جون ۱۹۱۶ء کے وکیل امرتسر میں مضمون "علمِ ظاہر و علمِ باطن" میں انھوں نے لکھا کہ معرفت کو علم پر ترجیح دینا گویا ان عقلی علوم کی تنسیخ ہے، جن کی وجہ سے انسان نظامِ عالم کے قوا کی تسخیر کرتا ہے۔[۳۵] ۲۵/ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو اکبر الہ آبادی کو لکھا کہ صدیوں تک علما و صوفیا کے درمیان طاقت کی جنگ جاری رہی، بالآخر صوفیا غالب آ گئے۔ ۳/ اپریل ۱۹۱۶ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھا کہ خواجہ حافظ کی شاعری قواے حیات کو کمزور کرنے والی ہے۔ مسلمانوں اور ہندووں کا اصل مرض قواے حیات کی ناتوانی اور ضعف ہے، جو ان کے ادب کا نتیجہ ہے۔ ۱۱/ جون ۱۹۱۸ء کو اکبر الہ آبادی کو لکھا کہ عجمی تصوّف طبائع کو پست کرنے والا ہے جب کہ اسلامی تصوّف دل میں قوّت پیدا کرتا ہے، جس کا اثر ادب پر ہوتا ہے۔ پیامِ مشرق کے دیباچے میں اقبال نے گوئٹے (م ۱۸۳۲ء) کے مغربی دیوان پر جرمن شاعر ہائنا (م ۱۸۵۶ء) کا تبصرہ پیش کیا کہ مغرب کی روحانیت 'کمزور اور سرد' پڑ گئی ہے۔ وہ مشرق سے 'حرارت' کا متمنّی ہے۔ اقبال کو اندیشہ تھا کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد 'یورپ کے قواے حیات کا

اضمحلال' کہیں عجمیّت سے مغلوب نہ ہو جائے۔پیامِ مشرق اسی لحاظ سے مغربی دیوان کا جواب ہے۔ مغرب کو پیغام یہ دیا کہ فرد اور قوم کی 'باطنی تربیت' کر کے 'اندرونی گہرائیوں میں انقلاب' برپا کیا جائے۔ اقبال کے خیال میں عشق اور ہوس میں فرق یہ ہے کہ یہ 'تیشۂ فرہاد' ہے اور وہ 'حیلۂ پرویز'۔ مسلمان بادشاہوں کے ہاتھ میں تیغ اور قرآن ہوتا تھا۔'علم الاسما' بھی اصل میں 'علمِ اشیا' ہے،جو عصا اور یدِ بیضا ہے۔ مثنوی پس چہ باید۔۔۔ میں "فقر" کے تحت ہے کہ فقر فرشتوں اور جہان کی پوشیدہ قوّتوں پر شبخون مارتا ہے۔اس کے قلب کو جذب و سلوک سے قوّت ملتی ہے۔ فقر کی بے نیازیاں دین کی قوّت ہیں۔ ۱۲/دسمبر ۱۹۳۶ء کو ظفر احمد صدیقی کو لکھا کہ غلام قومیں ایسی تعلیم کو پسند نہیں کرتیں، جس کا مقصد قوّتِ نفس کا ترفع ہو۔ اسلام نفسِ انسانی کی مرکزی قوّتوں کو فنا نہیں کرتا بلکہ ان کی حدود متعیّن کرتا ہے۔

دوسرے اڈیشن میں حافظ شیرازی پر اشعار کی جگہ "حقیقتِ شعر و اصلاحِ ادبیاتِ اسلامیہ" کے موضوع پر اقبال نے اپنا نظریۂ فن پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اس قوم پر افسوس، جس کے شاعر کے نغمے دل سے ثابت قدمی چرا لیتے ہیں۔ وہ خستہ ہے اور ہم اس کی شاعری سے مزید خستہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے مضمون "اسرارِ خودی اور تصوّف" میں اقبال نے اورنگ زیب کے ایک واقعے، جس میں اس نے حافظ کے ایک شعر کی وجہ سے طوائفوں کو دریابرد کرنے کے اپنے منصوبے کو معطل کر دیا تھا، پر تبصرہ کیا کہ فن کے جادو نے اورنگ زیب کے قلب کو اس قدر ناتواں کر دیا کہ قوانینِ اسلامیہ پر عمل درآمد نہ ہو سکا۔[۳۶] اس موضوع پر اپنی بعد ازاں تحریروں میں بھی انھوں نے اپنے اس نظریے کی ترویج مسلسل جاری رکھی۔ زبورِ عجم میں "در فنِ تعمیر۔۔۔" کے تحت لکھا کہ غلاموں کی موسیقی ناتواں بناتی ہے۔ قوّتِ اعجاز کے بغیر کوئی زندگی نہیں۔پیغمبری وہ ہے، جس میں دلبری کے ساتھ قاہری بھی ہو۔ضربِ کلیم میں "سرود" کے تحت سوال اٹھایا کہ دل کی مستی و قوّت کہاں سے ہے؟ "فنونِ لطیفہ" میں ہے کہ ہنر وہ ہے، جو ضربِ کلیمی رکھتا ہو۔ جاوید نامہ کی نظم "ندائے جمال" میں ہے کہ جس میں قوّتِ تخلیق نہیں ،وہ کافر و زندیق ہے۔

قوّت اور اہلِ باطل

اہلِ حق کی آزمائش کے لیے اللہ بعض اوقات قوّت اہلِ باطل کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے۔ اقبال نے نظم "تقدیر" کے تحت لکھا کہ قوّت کبھی نا اہل کو بھی مل جاتی ہے۔ اسرارِ خودی "میں درشرحِ

اسرار۔۔۔" کے تحت ہے کہ باطل، قوّت سے اپنے اندر حق کی شان پیدا کرلیتا ہے۔ کن کہ کر زہر کو کوثر اور خیر کو شر بنا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں کمزور انسان ناتوانی کو قناعت کہنے لگتا ہے۔ ناتوانی زندگی کی راہزن یعنی موت ہے۔ یہ رحم، نرمی، انکساری، مجبوری اور معذوری میں خود کو چھپالیتی ہے اور خود کو تن آسانی کی شکل میں ڈھال کر صاحبِ قوّت کا دل اڑا لیتی ہے۔ پست ہمّت لوگوں کا ہتھیار کینہ ہوتا ہے۔ زبورِ عجم میں "مذہبِ غلاماں" کے تحت ہے کہ غلام کے لبوں پر خدا کا نام ہوتا ہے لیکن اس کا قبلہ فرمانروا کی طاقت ہوتا ہے، ایسی طاقت جس کا کام دروغ کو فروغ دینا ہے۔ جاوید نامہ، میں "حکومتِ الٰہی" کے تحت افغانی کہتا ہے کہ غیر حق جب زور ور بن جاتا ہے تو وہ امر و نہی میں ناتواں پر قاہر بن جاتا ہے۔ قاہرِ آمر جو پختہ کار ہوتا ہے، قوانین سے اپنے گرد حصار بنالیتا ہے۔ "حکمت خیرِ کثیر است" میں ہے کہ علم کی قوّت بعض اوقات ابلیس کی یار ہو جاتی ہے۔ کافر جہاد کی تدبیر جب کہ ملّا فی سبیل اللہ فساد پیدا کرتا ہے۔ اگر اہلِ مغرب کے مکر سے باخبر رہنا ہے تو روبہی چھوڑ کر شیری پیشہ اختیار کریں۔ قرآن کے بغیر شیری روباہی ہے۔ "رومی" میں ہے کہ حاکمی ضعفِ محکوماں سے قوی ہے۔ اس کی جڑ محروموں کی محرومیوں سے قوی ہے۔ تاج کا وجود باج اور تسلیم باج سے ہے۔

قوّت: عمل، استقامت، جدوجہد، سخت کوشی، پیکار اور غلبہ

اسرارِ خودی کے دیباچے سے پتا چلتا ہے کہ اقبال مسلمانوں میں 'قوّتِ عمل' پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے مغربی اقوام کو ان کی 'قوّتِ عمل' کی وجہ سے 'اہلِ مشرق کے واسطے بہترین رہنما' قرار دیا۔ نظم "ناظرین سے" کے تحت ہے کہ جنگ میں زور و ضربت کام آتے ہیں، نوائے چنگ نہیں۔ جنوری ۱۹۲۹ء میں انھوں نے مولوی محمد مصلح کو امید دلائی کہ آپ کے قرآنی تحریک کے پروگرام سے مسلمانوں میں قوّتِ عمل پھر عود کر آسکتی ہے۔ استقامت کے بارے میں اقبال کے افکار کو اسرارِ خودی میں "حکایتِ شیخ۔۔۔" اور حکایتِ طائرے۔۔۔ کے تحت دیکھا جاسکتا ہے۔

قوّت میں پختگی __ جدوجہد، سخت کوشی اور پیکار سے آتی ہے۔ اسٹرے ریفلیکشنز کے شذرہ ۴۰ میں لیبنیز (م ۱۷۱۶ء) کے حوالے سے ہے کہ شے بنیادی طور پر 'قوّت'، 'مزاحمت' ہے۔ اسرارِ خودی میں "دربیان اینکہ اصلِ نظام۔۔۔" کے تحت ہے کہ خودی جب خود کو 'بیدار' کرتی ہے تو اپنے 'اثبات' سے اپنا 'غیر' پیدا کرکے 'تخمِ خصومت' بوتی ہے، اپنی ذات سے پیکرِ اغیار تراشتی ہے، تاکہ 'لذّتِ پیکار' بڑھے، اپنی قوّتِ بازو سے اپنے اغیار کو قتل کرتی ہے تاکہ اپنی قوّت سے آگاہ ہو۔ "حکایتِ الماس

۔۔۔"اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔"حکایتِ نوجوانے۔۔۔"میں ہے کہ اندیشۂ اغیار کو دل سے نکال دو اور اپنی سوئی ہوئی قوّت کو بیدار کرو۔ اگر دشمن قوی ہے تو یہ اللہ کا فضل ہے۔ پیامِ مشرق میں "اگر خواہی۔۔۔"کے تحت ہے کہ اگر تو زندگی چاہتا ہے تو خطرات میں جینا سیکھ۔ خطرہ قوّت کے لیے امتحان ہوتا ہے۔"غزل"میں ہے کہ میرے دشتِ جنوں میں جبریل ایک گرا پڑا شکار ہے، میں یزداں پر کمند ڈالنے کا قائل ہوں۔ زبورِ عجم میں حصّۂ دوم: ۱۴ کے تحت ہے کہ رستمِ دستاں کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنی چاہیے، مغ بچوں کے ساتھ نہیں۔ جاوید نامہ میں "شاہِ ہمدان" کے تحت ہے کہ خود کو اہرمن پر مارنا چاہیے۔ انسان، مکمل تیغ ہے اور وہ مکمل سنگِ فسن۔ باج دو اشخاص کے علاوہ کسی کو دینا حرام ہے۔ 'اولی الامر' جن کی شان 'من کم' ہو، دوسرے وہ جواں مرد جو باطل کے خلاف حالتِ جنگ میں ہو۔"حرکت بہ کاخ۔۔۔"میں ہے کہ اگر ہاتھ تلوار اور قلم کے گھوڑوں کا سوار ہو تو گھوڑا لنگڑا ہو یا عرن کا شکار، غم نہیں کرنا چاہیے۔"پیغامِ سلطان۔۔۔"میں ہے کہ شیر کا ایک سانس بھیڑ کے سو سال سے بہتر ہے۔ حدیث ہے کہ جنگ اسلام کی رہبانیت ہے۔ مسافر میں"مناجاتِ مرد۔۔۔"کے تحت ہے کہ زندگی نیش و نوش کا پیہم میدانِ جنگ ہے۔ نظم "ساقی نامہ" میں ہے کہ زندگی کی طاقت سے کہسار چُور ہیں۔ "نصیحت" میں ہے کہ 'سخت کوشی' سے تلخِ زندگانی شہد ہے۔ 'کبوتر پر جھپٹنے' میں جو مزہ ہے، وہ اس کے لہو میں نہیں۔۸، فروری ۱۹۱۷ء کو مولانا گرامی کے نام خط میں لکھا کہ زندگی مزاحمت پر غالب آنے سے قوی تر ہوتی ہے۔۲۳، ستمبر ۱۹۳۷ء کو محمد نعمان کو لکھا کہ مخالف قوّتوں سے ہرگز نہ ڈرو۔ ان سے جدوجہد جاری رکھو، کیونکہ جدوجہد ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔

پیکار سے قوّت میں جو پختگی آتی ہے، اس سے غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اسرارِ خودی میں "در شرحِ اسرار۔۔۔" کے عنوان کے تحت ہے کہ قوّت شرحِ رمزِ حق و باطل ہے اور اس کی اصل غالب آنے کا ذوق ہے۔ مدعی کے پاس اگر قوّت ہے تو وہ دلیل سے بے نیاز ہے۔ نامساعد حالات کے ساتھ موافقت پیدا کرنا، جنگ میں ہتھیار ڈالنے کے مترادف ہے۔ انسان اگر پختہ ہو تو زمانہ خود اس کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔ اگر مردانہ وار جینا مشکل ہو جائے تو مردانہ وار مرجانا زندگی ہے۔ صاحبِ قلبِ سلیم اپنی قوّت کو عظیم مہمات سے آزماتا ہے۔"چوں خودی از عشق۔۔۔" میں ہے کہ جب خودی محکم ہو جاتی ہے تو نظامِ عالم کے قوائے ظاہریہ و مخفیہ کو مسخّر کرتی ہے۔ اس کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوتا ہے۔ ایک بار بو علی قلندرؒ (م ۱۳۲۴ء) کے ایک مرید کے سر پر چوب دار نے عصا کھینچ مارا۔ قلندر نے

سلطان کو خط لکھا کہ اس بد فطرت عامل کی باز پرس کر ورنہ تیری سلطنت کسی اور کو دے دی جائے گی۔ بادشاہ نے عامل کو قید میں ڈال دیا اور امیر خسرو (م ۱۳۲۵ء) کو بھیج کر قلندرؒ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ نظم "مسجدِ قرطبہ" میں ہے کہ بندۂ مومن کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے، جو ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

قومی خودی اور قوّت

رموزِ بے خودی میں قوم کی خودی کو مضبوط کرنے پر زور ہے۔ فرد کی خودی 'قوّتِ حافظہ' سے مضبوط ہوتی ہے، جب کہ قوم کی خودی اس کی 'تاریخ کی حفاظت' سے مضبوط ہوتی ہے۔ "در معنیٔ ربطِ فرد و ملت" میں ہے کہ سبز پتّا جب اپنے درخت سے ٹوٹ جاتا ہے تو اسے بہار بھی سوکھنے سے نہیں روک سکتی۔ تنہا فرد مقاصد سے غافل ہو جاتا ہے، اس کی قوّت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ ملاپ کے بعد جزو میں کل کو فتح کر لینے کی قوّت پیدا ہو جاتی ہے۔ ۲۷/جون ۱۹۱۷ء کو خان محمد نیاز الدّین خاں کو اقبال نے لکھا کہ یورپ کی قومیّت ایک ضعیف چیتھڑا ہے۔ مسلم قومیّت کی پختگی اور پائیداری اٹل ہے۔ ۸/جون ۱۹۱۸ء کو کیپٹن منظور حسین کے نام خط میں لکھا کہ آج کل مسلمان کو اپنی کوئی قوّت نفس کی خاطر نہیں بلکہ ملی مقاصد کے لیے صرف کرنی چاہیے ___ قومی خودی کو طاقتور بنانے کے لیے دو ارکان ہیں۔ "رکنِ اول: توحید" کے ضمن میں ہے کہ زور، قوّت اور تمکنت توحید سے ہے۔ لا الٰہ ہمارے افکار کی شیرازہ بندی کر کے زندگی کی قوّت میں اضافہ کرتا ہے۔ کمزوری یاس کی لونڈی ہے۔ اس سے قوائے زندگی مر جاتے ہیں۔ خوف پاؤں سے طاقتِ رفتار چھین لیتا ہے۔ 'لاخوف علیھم' کے ورد سے ایمان کی قوّت بڑھتی ہے۔ "محاورۂ تیر و شمشیر" میں تیر شمشیر سے کہتا ہے کہ تیرے اسلاف میں سے ذوالفقارِ حیدرؓ تھی اور تو نے قوّتِ بازوے خالدؓ بھی دیکھی ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر ایک روز جنگل میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے خنجر سے شیر کا پیٹ پھاڑ دیا اور نماز مکمل کی۔ "رکنِ دوم: رسالت" میں ہے کہ رسولؐ امّت کے لیے قوّتِ قلب و جگر ہیں اور خدا سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ان پر نازل ہونے والی کتاب قلبِ مومن کے لیے قوّت ہے۔ 'لا نبی بعدی' قوم کے لیے سرمایۂ قوّت ہے کیونکہ اس کا مطلب ہے 'لا قوم بعدی'۔ قوّتِ رسالت نے ہر کہن پیکر کو توڑ دیا۔ مستنصر میر نے بھی اقبال کے حوالے سے لکھا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ محمد ﷺ سے اپنے قلب و روح کے ساتھ محبت کریں تا کہ یہ محبت ان کی زندگیوں میں 'ڈرائیونگ فورس' بن جائے اور اس سے ان کی تکمیل ہو جائے۔[۳۷]

ملت کا مرکز اور قوّت

مغرب اور اسلام کے تصوّرِ قومیّت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ "در معنی ایں کہ وطن۔۔۔" میں ہے کہ مغرب نے عیسائیّت کا خاتمہ کر کے پاپاے اعظم کو کمزور کیا تو انسان مختلف قبیلوں میں تقسیم ہو گیا۔ ابلیس نے فلارنس کے میکیاولی کی صورت اختیار کرلی۔ اس نے بادشاہوں کے لیے ایک کتاب دی پرنس (اشاعت: ۱۵۳۲ء) لکھی، جس نے نوعِ انسانی میں جنگ کا بیج بویا۔ "در معنیِ ایں کہ حیاتِ ملّیہ ۔۔۔" میں ہے کہ مسلمانوں میں جمعیّت بیت الحرام سے ہے۔ اس کے طواف سے ہم زیادہ ہونے کے باوجود ایک اور پختہ ہیں۔ موسیٰؑ کی قوم نے مرکز چھوڑا تو اس کی جمعیّت بکھر گئی۔ "در معنی ایں کہ جمعیّتِ حقیقی۔۔۔" میں ہے کہ مقصد قواے زندگی کے پارے کو مجتمع کرتا ہے۔ یہ ہر قوت کو اپنے مرکز میں جمع کرلیتا ہے۔ پس چہ باید۔۔۔ میں "حرفِ چند۔۔۔" کے تحت ہے کہ قوّت، جمعیّتِ دینِ مبین سے ہے۔

قرآن اور قوّت

اقبال کے خیال میں قرآن کی تعلیمات قوّت کا درس دیتی ہیں بلکہ خود قوّت ہیں۔ رموزِ بے خودی میں "در معنیِ ایں کہ نظامِ ملت۔۔۔" کے تحت ہے کہ ملتِ محمّدیہ کا آئین قرآن ہے، جس کی قوّت سے بے ثبات کو ثبات مل جاتا ہے۔ اس کے زور سے سوداے خام پختہ تر ہوتا ہے۔ "در معنیِ ایں کہ در زمانہ۔۔۔" میں ہے کہ جب زندگی مضمحل ہو جاتی ہے تو تقلید سے ثبات پکڑتی ہے۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑلو کہ یہ "حبل اللہ" ہے۔ "در معنی ایں کہ پختگی۔۔۔" میں ہے کہ پختگی آئین کی اتباع سے آتی ہے۔ یہ عصا اور یدِ بیضا ہے۔ جنگ کے وقت اگر دشمن صلح کی امید پر اپنے حصن و حصار توڑ کر سہل انگار ہو جائے تو جب تک وہ دوبارہ خود کو جنگ کے لیے تیّار نہ کرلے، اس سے جنگ کرنا حرام ہے۔ قوّت کا یہ اصول ہمارے شارعِ آئین نے لکھا۔ ایسا عمل آہن عصب بناتا ہے۔ خستہ کو استوار کرتا ہے اور کوہسار کی طرح پختہ کرتا ہے۔ خطروں میں جینا زندگی ہے۔ شرع مسلمان کے سامنے الوند پہاڑ رکھ کر اس کی قوّتِ بازو کو آزماتی ہے اور کہتی ہے کہ اب اس کا سرمہ بنا۔ ناتواں بھیڑ شیر نر کے پنجے کے قابل نہیں ہوتی۔ جاوید نامہ میں "قصرِ شرف النسا" کے تحت ہے کہ شرف النسا کی کمر میں شمشیر اور ہاتھ میں قرآن ہوتے تھے۔ یہ دونوں قوّتیں زندگی کی محور ہیں۔ مسافر میں "مسافر وارد۔۔۔" کے مطابق اقبال نے نادر شاہ کو قرآن کا تحفہ دے کر کہا کہ حیدرؓ نے اس قرآن کی طاقت سے خیبر فتح کیا تھا۔ نادر شاہ نے کہا کہ

قرآن کی قوّت سے مجھ پر ہر دروازہ کھل گیا۔ 'خطاب بہ پادشاہ۔۔۔' میں ہے کہ ہمارا ساز و سامان کتاب و حکمت ہے۔ یہ دونوں قوّتیں اعتبارِ ملت ہیں۔

با کردار خاتون: ملت کی قوّت

اقبال کے خیال میں قوم کی قوّت کا انحصار خواتین کے کردار پر ہے۔ رموزِ بے خودی میں "در معنیٔ ایں کہ بقا۔۔۔" کے تحت ہے کہ امومت سے ہم پختہ تر ہوتے ہیں۔ قوم کا سرمایہ تندرست فرزند ہوتے ہیں، جو سخت کوش ہوتے ہیں۔ رمز اخوّت کی حفاظت اور قرآن و ملت کی قوّت ماؤں سے ہے۔ "در معنیٔ ایں کہ سیّدۃ النساءؓ۔۔۔" میں ہے کہ سیّدہ فاطمہؓ تین نسبتوں سے محترم ہیں۔ ۱۔ وہ رحمت اللعالمینؐ کی نورِ چشم ہیں۔ ۲۔ وہ شیر خداؑ کی زوجہ ہیں، جن کا کل سامان ایک تلوار اور ایک زرہ تھا۔ ۳۔ وہ امام حسینؓ اور امام حسنؓ کی ماں ہیں، جن میں سے ایک مرکزِ پرکارِ عشق اور دوسرا جمعیّتِ خیر الامم کا محافظ ہے۔ وہ احرارِ جہاں کے قوّتِ بازو ہیں۔ 'خطاب بہ مخدرات۔۔۔' میں ہے کہ پاک طینت خاتون قوّتِ دین و اساسِ ملت ہے۔

قوائے نظامِ عالم کی تسخیر

اقبال سمجھتے ہیں کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد قوائے نظامِ عالم کی تسخیر ہے۔ انھوں نے نظم "خضرِ راہ" میں کہا کہ زندگی اپنی 'قوّتِ تسخیر' سے آشکارا ہے۔ جاوید نامہ میں جہاں دوست کے سوال کے جواب میں رومی نے کہا کہ آدمی تلوار، اللہ تلوار باز اور کائنات سنگِ فسن ہے۔ "حلاّج" میں ہے کہ جو تقدیر سے سازگاری رکھتا ہے، اس کی طاقت سے ابلیس اور موت پر لرزہ طاری ہوتا ہے۔ اسرارِ خودی میں "دربیان ایں کہ مقصد۔۔۔" کے تحت ہے کہ اگر مقصد غیر اللہ ہو تو صلح شر ہے، اگر اللہ ہو تو جنگ بھی خیر ہے۔ رموزِ بے خودی میں "در معنیٔ ایں کہ توسیع۔۔۔" کے تحت ہے کہ حاضر سے جنگ غیب کی تسخیر کا آغاز ہوتی ہے۔ اس نظام کی قوّتوں کی تسخیر سے فنون کی تکمیل وابستہ ہے۔ جہان میں آدم نائبِ حق ہے اور عناصر پر اس کا حکم محکم ہے۔ ذرّوں میں سورج پوشیدہ ہیں۔ توانائیوں سے اپنا باج وصول کرنا چاہیے۔ جس نے اشیا پر کمند ڈالی، اس نے برق و حرارت پر سواری کی ___ اقبال نے اسلام کی مذہبی اور تہذیبی باہم متصادم اور متجاذب قوّتوں کا تذکرہ کرکے عیسائیّت اور اسلام کا آئیڈیل اور رئیل قوّتوں کے تناظر میں موازنہ کرتے ہوئے عیسائیّت کے برعکس اسلام کے مادّے پر غلبہ پانے کے نظریے کو سراہا۔

ان کے خیال میں انسان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کی قوّتوں کو اپنی مرضی کی شکل دے سکے۔ اقبال نے گوئٹے کے حوالے سے قرآنی تعلیمات کو تعلیمی قوّت کہا اور یہ کہ قرآنی تعلیمات انسان کے فطرت کی قوّتوں پر کنٹرول پر یقین رکھتی ہیں۔[۳۸] اقبال نے ناؤمن کے حوالے سے کہا کہ دنیا کا علم ہمیں طاقت اور مضبوطی کے خدا کا درس دیتا ہے۔ انھوں نے فطرت کو باہم مربوط قوّتوں کا نظام کہا۔[۳۹] ۲۲ / مارچ ۱۹۱۷ء کو مولانا گرامی کو لکھا کہ دنیا کی قوّتوں کو قابو میں لانا چاہیے۔ ۱۵ / جنوری ۱۹۳۴ء کو سید سلیمان ندوی کو لکھا کہ جرمنی میں مادی قوّت کی پوجا کی جا رہی ہے۔ غالباً ۱۹۳۶ء کو غلام السیدین کے نام لکھے گئے ایک خط میں، جس پر تاریخ درج نہیں، اقبال نے لکھا کہ حواس کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کی طبعی قوّت کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس بے پناہ قوّت کو مسلمان کرے۔ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد ۴ کے ضمیمے کے مطابق چودھری محمد حسین کو ۳۰ / اگست ۱۹۲۴ء کو لکھا کہ قرآن تجربے اور مشاہدے کی طرف توجہ دلا کر کائنات کے قوا کی تسخیر چاہتا ہے۔ ''الوقت سیف" میں امام شافعیؒ (م ۸۲۰ء) کا قول ہے کہ وقت تیز تلوار ہے۔ شمشیر زن کا ہاتھ دستِ کلیم سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ دستِ موسیٰؑ میں یہی تلوار تھی، جس کا کام تدبیر سے بالاتر تھا۔ اس نے دریائے نیل کا سینہ چاک کیا اور سمندر کو خشک کر دیا۔ حضرت علیؓ کی قوّت اسی شمشیر سے تھی۔ اس سلسلے میں ایک اہم سوال امامت کا ہے۔ اقبال نے اجتہاد کو طاقت کہہ کر قاضی ابو بکر باقلانی کے حوالے سے کہا کہ قریشیوں کے ہاتھ سے طاقت چھن جانے کے بعد ملک میں سب سے زیادہ طاقت ور شخص کو امام تسلیم کر لیا جائے۔[۴۰]

اقبال کے تصوّرِ قوّت کا محرّک

بیسویں صدی کا آغاز تھا۔ خلافتِ عثمانیہ کا رعب و دبدبہ قصّۂ پارینہ بن چکا تھا۔ ہندوستان پر برطانیہ کا تسلّط قائم ہو چکا تھا۔ ایسے میں اقبال نشاۃِ ثانیہ کا خواب لے کر اٹھے۔ ان کا کہنا تھا کہ فرنگیوں کی دانش نے تلوار شانے پر رکھی ہوئی ہے اور نوعِ انساں کو ہلاک کرنے میں سخت کوشش کر رہی ہے۔ یہ تلوار، رہزن کے پنجے سے چھین لینی چاہیے۔ اہلِ حق کے لیے زندگی قوّت سے ہے اور ہر ملت کی قوّت جمعیّت سے ہے۔ بغیر قوّت کے رائے تمام کی تمام مکر و فسوں ہے اور بغیر رائے کے قوّت، جہل و جنوں ہے۔ فرنگ کے کارخانے سے زمستاں میں بھی پوستین نہیں خریدنی چاہیے کیوں کہ بغیر حرب و ضرب کے مار دینا اس کا آئین ہے۔ اس سوداگر کا مشک کتّے کی ناف کا بنا ہوا ہے۔[۴۱]

حوالہ جات وحواشی

1 May, Rollo, *Power and Innocence* (New York, W. W. Norton & Company, 1972), P.99

۲ برنی، سیّد مظفر حسین، مرتّب، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد ا (دہلی، اردو اکادمی، نومبر ۱۹۸۹ء)، ص ۵۱۲
مضمونِ ہٰذا میں اقبال کے محولہ تمام مکاتیب کو سید مظفّر حسین برنی کی کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی چاروں جلدوں سے لیا گیا ہے، جہاں انھیں متن میں درج تواریخ کے مقابل زمانی ترتیب سے بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

۳ اقبال، ڈاکٹر سر محمد، مرتّب، 'دیباچہ'، اردو کورس (لاہور، گلاب چند کپور اینڈ سنز، ۱۹۲۹ء)، ص ہ

۴ رفیق افضل، محمد، مرتّب، گفتارِ اقبال (لاہور، ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، طبع دوم، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۶۶

5 Javid Iqbal, Dr., Editor, *Stray Reflections,* Muhammad Iqbal (Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 2008), P.72, 88

6 Iqbal, Sir Muhammad, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, (London, Oxford University Press, Humphrey Milford, 1934), P. 151

7 Javid Iqbal, *Stray Reflections*, P.40, 83

۸ صابر کلوروی، پروفیسر، مرتّب، تاریخِ تصوّف، علامہ محمد اقبال (لاہور، مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، ۱۹۸۷ء)، ص ۳۰، ۵۶

9 Iqbal, S. M., *The Development of Metaphysics in Persia* (London, Luzac & Co., 1908), P.138

10 Javid Iqbal, *Stray Reflections*, P.81

۱۱ رفیق افضل، گفتارِ اقبال، ص ۲۶۳

12 Iqbal, *The Reconstruction*, P. 11

13 Ibid, P. 85

14 Ibid, P. 87

15 Latif Ahmad Sherwani, Editor, *Speeches, Writings and Statements of Iqbal* (Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 2021), P.95

16 Hill, R. Kevin, *Nietzsche: A Guide for the Perplexed* (London, Continuum International Publishing Group, 2010), P. 67

17 Mencken, H.L., Translator, *The Antichrist* , F. W. Nietzsche (New York, Alfred-A-Knopf, 1931), P. 42-43

۱۸ فوسٹر، مسٹر ای ایم، رقم زدہ، "کلامِ اقبال: بلبلِ ہندوستان"، معارف اعظم گڑھ، جلد ہفتم، عدد پنجم و ششم (مئی و جون ۱۹۲۱ء)، ص ۴۲۷۔۴۲۸

۱۹ ڈکنسن، پروفیسر، رقم زدہ، "اسرارِ خودی"، معارف اعظم گڑھ، مجلد ہشتم، عدد سوم (ستمبر ۱۹۲۱ء)، ص ۲۱۳

20 Sherwani, *Speeches*, P.85

۲۱ معینی، سید عبد الواحد، مرتب، مقالاتِ اقبال (لاہور، آئینۂ ادب، ۱۹۸۲ء)، ص ۴۲

۲۲ تصدّق حسین تاج، مرتّب، مضامینِ اقبال (حیدرآباد دکن، اعظم اسٹیم پریس، ۱۳۶۲ھ [۱۹۴۴ء])، ص ۲۷

۲۳ اقبال، شیخ محمد، علم الاقتصاد (لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۲۱ء)، ص ۲۰۱۔۲۰۲، ۲۰۵

24 Bernard Williams, Editor, *The Gay Science*, Friedrich Nietzsche, (Cambridge, University Press, 2008), P.120

25 Iqbal, *The Reconstruction*, P. 116

26 Schimmel, Annemarie, *Gabriel's Wing* (Lahore, Iqbal Academy Pakistan, 2009), P. 323

۲۷ افتخار احمد صدّیقی، ڈاکٹر، مترجم، "مقدمہ"، شذراتِ فکرِ اقبال (لاہور، مجلسِ ترقّیِ ادب، طبع اوّل، دسمبر ۱۹۷۳ء)، ص ۲۱

۲۸ نذیر نیازی، سید، مترجم، "مقدمہ"، تشکیلِ جدید الٰہیّاتِ اسلامیہ (لاہور، بزمِ اقبال، اشاعتِ ہشتم، ۲۰۱۹ء)، ص ۳۱

۲۹ عزیز احمد، ترقی پسند ادب (کراچی، عصری مطبوعات، ۱۹۸۶ء)، ص ۴۵

30 Iqbal, *The Reconstruction*, P. 81

31 Ibid, P. 101

32 Ibid, P. 151

33 Ibid, P. 179

34 Ibid, P. 118

۳۵ بشیر احمد ڈار، مرتّب، انوارِ اقبال (لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء)، ص ۲۶۹

۳۶ معینی، مقالاتِ اقبال، ص ۲۱۰

37 Mustansir Mir, *Iqbal: Poet and thinker* (Ohio, Youngstown State University), P. 43

38 Iqbal, *The Reconstruction*, P. 11

[39] Ibid, P. 76

[40] Ibid, P. 76

[۴۱] اقبال، مثنوی 'پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق' ([لاہور، کتاب خانہ طلوعِ اسلام،] ۱۹۳۶ء)، ص ۶۲